سر سید احمد خان کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات: انیسویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ

Sir Syed Ahmad Khan's Intellectual, Literary and Social Contributions: A Guiding Light for 19th Century Indian Muslims

Samreen Akram[1]
Dr. Humayun Abbas Shams[2]

Abstract:

The 19th century was a tumultuous time for Indian Muslims, marked by significant socio-political upheaval. Following the failed 1857 rebellion, Muslims faced severe repercussions, including the loss of life, property, and a decline in socio-political influence. While Hindus were making strides under reformers like Raja Ram Mohan Roy and Dayanand Saraswati, Muslims struggled with economic devastation and resistance to modern education, leading to further deterioration. Amidst this decline, Sir Syed Ahmed Khan emerged as a pivotal figure, initiating the Aligarh Movement to reform and uplift the Muslim community. His contributions spanned education, politics, religion, and literature, leaving a lasting impact on various fields. This study examines Sir Syed's literary and intellectual contributions across three distinct periods, highlighting his evolving thought process and the enduring legacy of his work.

Keywords: *Sir Syed Ahmad Khan, Intellectual contributions, literary contributions, Social reforms, Aligarh Movement, 19th-century India*

تعارف:

19ویں صدی عیسوی کا زمانہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بڑا پر فتن تھا۔ مسلمان سیاسی زوال وانحطاط کا شکار تھے۔ ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے لیے انگریز قابض ہو رہے تھے۔ انگریز مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتے لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کی سرکوبی کے لیے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں جدوجہد آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کو اس کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑا اور اُن کی جان مال اور جائیداد بری طرح سے متاثر ہوئیں۔ سیاسی و فکری محکومی بھی لائی اور وہ تہذیب و ثقافت کے معاملے میں مرعوبیت اور شکست خوردگی کا شکار ہو گئے۔ ملک کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد ان کی سرپرستی میں عیسائی مشنریاں بہت زیادہ سرگرم ہو گئیں اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کوشاں تھیں۔[3]

ہندوؤں کی حالت بھی خراب تھی تاہم ہندوؤں کی حالت کی بہتری کیلئے راجہ رام موہن رائے، ایشر چندر ودیا ساگر، سریش چندر بھٹاچارجی، اور دیانند سرسوتی جیسے مصلح پیدا ہو گئے تھے اور وہ زمانے کے تقاضوں کو محسوس کر کے اپنی معاشرتی، تعلیمی اور اقتصادی حالت

---

[1]. P.hd Scholar, Dept. of Islamic Studies, G.C. University Faisalabad samreenakram97@gmail.com

[2]. Dean, Faculty of Islamic and Oriental Learning, GC University Faisalabad drhumayunabbas@gcuf.edu.pk

[3] محمد یٰسین مظہر صدیقی، سر سید اور علوم اسلامیہ، ص ٦٤

Muḥammad Yasīn Maẓhar Ṣiddīqī. Sar Sayyid aur ʿulūm-i islāmiyyah, p. 64

کو بہتر بنانے کے لیے پوری توجہ کر رہے تھے لیکن مسلمانوں کی حالت بہت خراب تھی۔ سیاسی زوال کے بعد وہ اقتصادی حیثیت سے بھی تباہ ہو گئے تھے۔ جدید علوم حاصل کرنے کے لیے کسی طرح بھی رضامند نہ تھے اور غیر اسلامی رسوم ورواج اور دوسری قوموں کے اثرات نے مسلم معاشرہ کی حالت بگاڑ دی تھی۔ مدت دراز سے مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔ بہت سی تحریکیں شروع ہوئیں لیکن بہتری لانے سے پہلے ہی دم توڑ دیتیں۔ اگرچہ اس زمانے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو معاشرے کی اصلاح کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے لیکن وہ خود اس میدان میں پیش قدمی کرنے پر تیار نہ تھے اور اس بات کے خواہاں تھے کہ کوئی پہل کرے کیونکہ ان میں بڑی رسموں کو توڑنے اور اصلاح کرنے کی جرأت نہ تھی۔[4] ایسے میں سرسید احمد خان نے ملک کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھے، اُن کی خدمات اور سرگرمیوں کا مرکز علی گڑھ تھا۔ اسی لیے اُن کی تحریک کو تحریک علی گڑھ کا نام دیا گیا۔

سرسید احمد خان ایک مختلف الحیثیات شخص تھے انھوں نے اپنی ہنگامہ خیز زندگی میں سیاسی، تعلیمی، مذہبی، تحقیقی غرض ہر قسم کے علمی اور قومی مشاغل میں نمایاں حصہ لیا۔ انھوں نے عمل کے ہر میدان میں اپنا نقش بٹھایا اور ہر جگہ دیرپا اثرات باقی چھوڑے۔ جہاں تک اُردو ادب کا تعلق ہے تو وہ اُردو کے اولین معماروں میں تھے۔ ملکی سیاسیات میں بھی ان کے کارنامے مسلم ہیں۔ چنانچہ ان کے مخصوص سیاسی خیالات نے مسلمانان ہندوستان کے ذہن کو بدلنے میں بڑا کام کیا۔ خالص تعلیمی معاملات میں ان کے خاص نظریات نے علی گڑھ کی تعلیمی تحریک کی صورت اختیار کی اور دینیات میں انھوں نے فکر و تصورات کے نئے راستے دریافت کئے جن پر ان کے بعد آنے والے (یعنی ان کے مسلک کے پیرو) آج تک برابر چل رہے ہیں۔ غرض علم و عمل کے تقریباً ہر شعبے میں ان کی انقلاب آفرین شخصیت نے مستقل یادگاریں چھوڑیں۔[5] اب سرسید کی علمی، ادبی اور سماجی و معاشرتی خدمات کا، بالترتیب جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

> "اگر سرسید کی تصانیف کو تاریخی ادب کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سرسید نہایت اثر پذیر شخصیت تھے۔ وہ جس ماحول میں رہے اس کا اثر قبول کیے بغیر نہ رہے اور باوجودیکہ وہ بظاہر اجتہاد پسند اور تقلید سے آزاد معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے رجحانات اور مذاق تصنیف کی پیہم تبدیلیاں یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ ان کا رڈ و بدل جانے اور جلد از جلد بدل جانے کی بڑی صلاحیت تھی۔ اُن کی تصانیف (مضامین اور اسلوب بیان دونوں کے اعتبار سے) ارتقاء و تغیر کا عجیب و غریب نقشہ پیش کرتی ہیں۔"[6]

4۔ شاہد حسین رزاقی، سرسید اور اصلاح معاشرہ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، س ن، ص ۲۵

Shāhid Ḥusayn Razāqī. Sar Sayyid aur iṣlāḥ-i muʿāsharah (Lahore: Idārah-yi Saqāfat-i Islāmiyyah, n.d.), p. 25

5۔ ڈاکٹر عبداللہ سید، سرسید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۱۵ء، ص ۳

Dr. Abdullāh Sayyid. Sar Sayyid Aḥmad Khān aur un ke nāmwar rufaqāʾ kī naṣr kā fikrī aur fannī jāʾizah Alīgaṛh: Educational Book House, 2015, p. 3

6 ڈاکٹر عبداللہ سید، سرسید احمد خاں اور اُن کے نامور رفقاء کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ، ۶۔

Dr. Abdullāh Sayyid. Sar Sayyid Aḥmad Khān aur un ke nāmwar rufaqāʾ kī naṣr kā fikrī aur fannī jāʾizah 6.

سرسید کی ادبی و علمی خدمات

سرسید نے علم وادب میں گراں قدر یادگاریں چھوڑیں۔علوم وفنون کی معرفت اور دانشمندی نے آپ کی خدمات میں چار چاند لگا دیئے۔آپ کی فہم وفراست نے آپ کی تحریر کو حیاتِ جاودانی بخشی۔چنانچہ اگر ہم آپ کے علمی وادبی کارموں کی فہرست مرتب کرنا چاہیں تو مولانا الطاف حسین حالی کے مطابق سرسید کی تصنیفی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1۔ ابتداء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک

2۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر انگلستان ۱۸۶۹ء تک کا دور

3۔ انگلستان کے سفر کا دور سے لے کر سرسید کی وفات ۱۸۹۸ء تک کا دور(7)

الف۔ابتدائی دور کی تصانیفِ سرسید

ابتدائی دور کی تصانیف سے سرسید احمد خاں کے ذہنی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔

ا۔ مختصر حالات سلاطین دہلی

موضوع : مختصر حالاتِ سلاطینِ دہلی

جام جم : (فارسی)

ناشر / مطبع: چھاپہ خانہ مستقر الخلافۃ، اکبر آباد

سنِ اشاعت: ۱۸۴۰ء

صفحات : ۲۶

یہ سرسید کی پہلی تصنیف ہے۔جو "منشی سید احمد خان دہلی" کے نام سے مئی ۱۸۴۰ء میں اکبر آباد سے بزبان فارسی شائع ہوئی۔اس کتاب کے موضوع کے مطابق اس کتاب میں سرسید احمد خان نے دہلی کے سبھی حکمرانوں کی زندگی کے حالات کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں اور کتاب کے آخر میں ماخذ بھی درج کیے ہیں۔(8)

۲۔انتخاب الاخوین (قوانین دیوانی)

موضوع : قانون

ناشر : میتھو گرافک پریس، آگرہ

---

[7] احمد میاں اختر، جوناگڑھی، سرسید کا علمی کارنامہ، (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۸۶ء)، ص۲۷*

Ahmad Miyān Akhtar Jonāgarhī, Sir Sayyid kā ʿIlmī Kārnāmah (Karachi: Academy of Educational Research, 1986), 27.

[8] ڈاکٹر عطاء خورشید، سرسید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ (انڈیا: علی گڑھ ہیریٹیج پبلیکیشنز، ۲۰۱۹)، ۱/۱۷۔

ʿDr. Aṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʿātī Kitābiyāt (Aligarh, India: Aligarh Heritage Publications, 2019), 17/1.

سنِ اشاعت: ۱۸۴۱ء

صفحات : ۴۷

سرسید احمد خاں ۱۸۳۹ء میں آگرہ میں دیوانی عدالت میں منشی تھے۔ اُنھوں نے بائیس کی عمر میں عدالت دیوانی کے قوانین کا خلاصہ ''انتخاب الاخوین'' کے نام سے تیار کیا اس میں سرسید کے بڑے بھائی سید محمد (۱۸۴۵ء) نے بھی کام کیا۔ حیات جاوید میں حالی نے اس کتاب کے بارے میں بیان یوں کیا ہے:

> ''یہ انتخاب منصفی کے امیدواروں کے لیے ایسا مفید نکلا کہ چند روز میں صوبے میں شائع ہو گیا۔ لوگوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا اور بہت سے لوگ اس کتاب کی بدولت منصف ہو گئے۔''[9]

۳۔ تحفہ حسن

موضوع : اثناء عشری عقائد کی رد میں

مؤلف : شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سنِ اشاعت: ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء

فارسی کتاب تحفہ اثناء عشریہ جو کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھی تھی۔ اس کتاب کے دسویں باب ''اصحاب ثلاثہ وعائشہ صدیقہ'' اور بارہویں باب ''تولا و تبرّا'' کا اُردو ترجمہ ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کے لئے اپنے استاد نور الحسن کاندھلوی سے رہنمائی حاصل کی۔ جس کا تذکرہ سرسید نے اپنی کتاب کے شروع میں کیا ہے۔[10]

۴۔ تسہیل فی صبر ثقیل

موضوع : اصطلاحات

مقامِ اشاعت: یتیموں کا چھاپہ خانہ، آگرہ

سنِ اشاعت: ۱۸۴۴ء

صفحات: ۳۸

یہ کتاب ابتدائی طور پر پہلے عربی زبان میں لکھی گئی۔ اس کے پہلے مصنف ''ابوذر یمنی'' ہیں۔ اس کا فارسی میں ترجمہ ''معیار العقول'' کے نام سے ہوا، جسے بو علی سینا نے لکھا۔ سرسید نے پادری جان جیمس (John James) کی فرمائش پر اُردو زبان میں منتقل کیا۔ اس میں عربی اور فارسی اصطلاحات کے ساتھ اُردو متوازی اصطلاحات بھی دی گئی ہیں۔ اس میں قواعد کی تشریح باقاعدہ اشکال سے کی گئی ہے۔[11]

---

[9] ڈاکٹر عطاء خورشید، سرسید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۱/۱۸۔
ʿAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʿātī Kitābiyāt, 18/1.

[10] ایضاً، ۱/۴۰۔
ibid, 40/1

اس دور کی تصانیف کے بارے میں جو نتائج سامنے آتے ہیں ان میں یہ واضح ہے کہ سرسید کا یہ تصنیفی دور اس طرح سے ترقی یافتہ نہ تھا جو بعد میں ہوا۔اس دور کی تصانیف سرسید کے فکری انداز کی غمازی نہیں کرپاتیں۔اس دور میں لکھی گئی تحریریں بھی عموماً ایسی تھیں جو یا تو تاریخی حیثیت رکھتی ہیں یا پھر کسی اور کی تصنیف پر تراجم و حواشی تھے۔

ب۔ تصانیفِ سرسید کا دورِ ثانی

اس زمانے میں سرسید احمد خان کا رجحان ''عقلی اور نیچرل''نقطہ نظر اور زاویہ کی طرف ہو چکا تھا۔اس زمانے میں لکھی گئی تصانیف کی وجہ سے بھی اُن کے نقطۂ نظر کا انداز واضح ہوتا ہے۔

ا۔ تاریخ سرکشی ضلع بجنور

موضوع: تاریخ ضلع بجنور، آگرہ

مقام اشاعت: آگرہ

سنِ اشاعت: ۱۸۵۸ء

صفحات: ۱۵۶

سرسید احمد خان جب ملازمت کے سلسلہ میں ضلع بجنور میں مقیم تھے، اُن دنوں ۱۸۵۷ء کی شورش کا دور تھا۔اس وقت ضلع بجنور کے باشندوں کا ردّ عمل اور اہلِ فرنگ پر جو کچھ بیتی۔اس وقت کے تمام واقعات سرسید احمد خان نے اس کتاب میں پوری صداقت اور جوانمردی کے ساتھ درج کر دیئے۔[12]

۲۔ اسباب بغاوت ہند

موضوع: شورش ۱۸۵۷ء کے اسباب

مقامِ اشاعت: آگرہ

سنِ اشاعت: ۱۸۵۹ء

صفحات: ۶۲

سرسید احمد خان نے یہ کتاب انگریزوں کو بغاوت کے اسباب کو واضح کرنے میں لکھی۔اُن کا خیال تھا کہ جب حکومت کو وہ بغاوت کی وجوہات بتائی جائیں گی تو اُن کا غصہ کچھ کم ہو گا اور جو مسلمانوں سے انگریزوں کو بدلہ لینے میں شدت ہے اس میں کمی واقع ہو گی۔ سرسید نے غدر کے واقعہ کے اسباب لکھے۔اُس کے محرکات کو وضاحت کے ساتھ اس کتاب میں بیان کیا۔ سرسید نے اس کتاب کو چھپوا کر اس کا انگریزی میں

---

[11] ڈاکٹر عطاء خورشید، سرسید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۱/۴۰۔
ʿAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʿātī Kitābiyāt, 40/1.

[12] ایضاً، ۱/۶۲۔۶۱۔
ibid, 61-62/1.

ترجمہ کروایا۔اور ایک نسخہ برطانوی کو بھیجا۔ سر سید نے کمال جرات سے اس میں برطانوی حکومت کی غلطیوں کو واضع کیا۔ خیال یہ کیا جاتا تھا کہ اس کتاب کی وجہ سے انگریز حکومت ناراض ہو گی لیکن جب برطانوی پارلیمان میں اسے پیش کیا تو اسے پسند کیا گیا اور سر سید کی پیش کردہ تجاویز پر غور کرنے کی سفارش بھی کی گئی۔ یہی اس کتاب کی مقبولیت کا راز ہے۔[13]

۳۔ رسائل لائل محمڈ سنز آف انڈیا

موضوع: سن ستاون میں انگریزوں کے وفادار مسلمانوں کی خدمات کے تذکرے۔

مقامِ اشاعت: مفصلائٹ پریس، میرٹھ

سنِ اشاعت: ۱۸۶۰ء۔۱۸۶۱ء

اس رسالے کے تین حصے یکے بعد دیگر شائع ہوئے۔ پہلا حصہ ۱۸۶۰ء میں، دوسرا حصہ ۱۸۶۰ء اور تیسرا حصہ ۱۸۶۱ء میں شائع ہوا۔ سر سید نے انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان حائل نفرت کو کم کرنے اور اور مسلمانوں پر لگائے گئے الزامات کی تردید کے لیے یہ رسالہ لکھا گیا لیکن ان رسائل کے تین شمارے ہی منظرِ عام پر آئے۔ مزید یہ کہ جن بائیس افراد نے حکومت کی وفاداری میں قربانیاں دیں، اُن کے حالات ان شماروں میں درج کیے گئے۔[14]

۴۔ تحقیق لفظ نصاریٰ

سر سید ابھی مراد آباد ہی میں تھے۔ اُس وقت بعض اضلاع میں مسلمانوں کی طرف سے ایام غدر کے متعلقہ ایسی دستاویز پیش ہوئیں۔ جن میں انگریزوں کو لفظ نصاریٰ کے ساتھ تعبیر کیا گیا۔ حکومت وقت نے اس لفظ کو بغاوت کا لفظ سمجھا۔ اور اس پر وہ مسلمانوں کو سزائیں دینے لگے۔ وہ سمجھے کہ جس طرح سے یہودی حضرت عیسیٰ کو حقارت سے (ناصری) کہتے ہیں۔ اسی طرح سے مسلمانوں نے انگریزوں کو حقارت کی وجہ سے نصاریٰ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے لیے سر سید نے فوراً اس غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ لکھا۔ اور اس کو اردو اور انگریزی میں چھپوا کر انگریز حکام کو بھیجا تاکہ مسلمانوں پر انگریز حکومت کا غصہ کم ہو جائے۔[15]

ایک بار ۱۸۶۶ء میں سر سید سے ایسا سوال پوچھا گیا کہ مسلمانوں کو انگریزوں کے ساتھ بشر طیکہ کوئی چیز حرام نہ ہو۔ کھانا درست ہے؟ اس سوال کے جواب میں سر سید نے سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۵ کو بطور اجازت اخذ کیا۔ اس لیے سر سید نے اس کے جواب میں ہاں کہا۔ اس دور کی تصنیفات کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اول دور کے مقابلہ میں سر سید کا یہ تصنیفی دور فکری اعتبار سے بہت زیادہ مختلف

---

13 سر سید احمد خان، اسباب بغاوت ہند، دہلی، انڈیا: کتب خانہ انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۔۱۵

Sir Syed Ahmad Khān, Asbāb-i Baghāwat-i Hind (Delhi: Anjuman Taraqqī Urdū, 1985 AD), 14-15.

14 ڈاکٹر عطاء خورشید، سر سید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۶۹/۱۔

ʻAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʻātī Kitābiyāt, 69/1.

15 سر سید احمد خان، حیات جاوید، ج ۱، ص ۱۶۱۔۱۶۲

Sir Syed Ahmad Khān, Ḥayāt Jāwīd, 161-162/1.

رہا۔ سر سید کے رجحانات میں تبدیلی واقع ہوئی اور ان کی فکر میں جو ایک جمود کی سی کیفیت تھی وہ باقی نہ رہی۔ سر سید کا انداز فکر تبدیل ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ جو پُر آشوب رویّہ اختیار کیا جاتا تھا وہی اس کا سبب تھا۔ سر سید کی فکرِ جدید میں جہاں نیچریت اور صالح معاشرے کا قیام پیدا ہوا وہیں اس میں تعلیمی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی میدانوں میں مسلمانوں کی ترقی کا شعور بھی بیدار ہوا۔

سر سید کی دورِ ثانی تصانیف سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسی دور میں انہوں نے مطالعہ مذاہب اور مکالمہ بین المذاہب کو نئی جہات دکھائیں۔ مناظروں سے ہٹ کر موافقت اور مودّت کی راہیں کشادہ کیں۔ الزامات کی بجائے ایسا اسلوب پیش کیا جس میں مسیحیت اور اسلام کی تعلیمات میں توافق قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ سر سید نے توراۃ اور انجیل کی آیات کی اس انداز سے تشریحات پیش کیں جن سے ان کتب اور قرآن کریم کی تعلیمات کا آپس میں ربط پیدا ہو سکے۔

ج۔ تصانیفِ سر سید کا دورِ ثالث

سر سید کی تصانیف کا آخری دور ۱۸۵۷ء تا ۱۸۹۷ء، اُن کی علمی اور مذہبی تصانیف کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہے۔[16] ڈاکٹر سید عبداللہ کی رائے میں اس دور میں سر سید کی سوچ اور ذہن پر جدید انداز فکر نے اس قدر پختہ غلبہ پالیا تھا کہ وہ بھی لارڈ میکالے کی طرح تمام مشرقی علوم کو ذہن و فکر کے لیے مضر اور مہلک خیال کرنے لگے۔[17]

ا۔ سفر نامہ لندن

مرتب : شیخ محمد اسمعیل پانی پتی

ناشر : مجلس ترقی ادب، لاہور

سنِ اشاعت: ۱۹۶۱ء

صفحات : ۳۱۱

یہ سفر نامہ سر سید کے اُن خطوط سے ترتیب دیا گیا۔ جو انھوں نے قیام لندن کے دوران راجہ جے کشن داس اور محسن الملک کو بھیجے تھے جو پہلے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ میں چھپے بعد میں سر سید نے انہیں دے کر "تہذیب الاخلاق" رسالے میں چھپوایا۔ اس کے بعد شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے سر سید کے ان خطوط کے اقتباسات اور دیگر مضامین کو اس تمام مواد کو کتابی شکل میں شائع کیا۔[18]

---

16 احمد میاں اختر، جوناگڑھی، سر سید کا علمی کارنامہ، کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، ۱۹۸۶ء، ص ۲۷*

Ahmad Miyān Akhtar Jonāgarhī, Sir Sayyid kā ʿIlmī Kārnāmah, 27.

17 ڈاکٹر عبداللہ، سر سید احمد خان اور اُن کے نامور رفقا کی نثر کا فکری اور فنی جائزہ (دہلی: چمن بک ڈپو، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۳

Sayyid Abdullah, Sir Sayyid Ahmad Khān aur un ke Nāmwar Rufaḳā' kī Naṣr kā Fikrī aur Fanī Jā'izah (Delhi: Chaman Book Depot, 1960), 13.

18 ڈاکٹر عطاء خورشید، سر سید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۱/۶۹۔

ʿAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʿātī Kitābiyāt, 45-46/1.

۲۔ تہذیب الاخلاق

تہذیب اخلاق پہلی بار یکم شوال یعنی ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو علی گڑھ سے شائع ہوا۔ سر سید کی حیات میں یہ صرف تین بار نکلا اور بند ہوا۔ پہلی بار ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا۔ اور تقریباً چھ سال بعد ۱۸۷۷ء میں بند ہوا۔ دوسری بار ۱۸۷۹ء میں جاری ہوا اور ۱۸۸۱ء میں بند ہو گیا۔ پھر تیسری بار ۱۸۹۴ء میں جاری کیا گیا اور تقریباً پونے تین سال بعد ۱۸۹۷ء میں بند ہوا۔ اس کے اشاعت کے دوران کوئی پابندی اوقات نہیں تھے۔ کبھی ایک مہینے میں ایک، کبھی دو اور کبھی تین تین شمارے بھی شائع ہوتے تھے۔ اس کی حیثیت سوشل ریفارمر کی تھی۔[19]

۳۔ ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو

موضوع: ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر نکتہ چینی۔ سیاست

مقامِ اشاعت: لندن

سنِ اشاعت: ۱۸۷۲ء

صفحات : ۱۱۵

ڈاکٹر ڈبلیو ہنٹر (۱۸۴۰ء-۱۹۰۰ء) نے ۱۸۷۱ء میں ایک کتاب "Our Indian Musalmans" کے عنوان سے لکھی، اس میں دو باتوں پر زور دیا گیا۔ اوّل کہ برطانوی حکومت کو مسلمانوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ دوم یہ کہ اسلام مسلمانوں کو غیر مسلموں سے جہاد کی دعوت دیتا ہے۔ سرسید نے اس کی بھرپور تردید کی اور نہایت مدلل جواب دیئے۔[20]

۴۔ سیرت فریدیہ

موضوع : سرسید کے نانا کی سوانح حیات

مقامِ اشاعت: آگرہ

سنِ اشاعت: ۱۹۹۲ء

صفحات : ۵۷

یہ کتاب سرسید نے اپنے نانا کی سوانح حیات پر لکھی۔ جس میں انھوں نے اپنے بچپن کے حالات بھی درج گئے ہیں۔[21]

۵۔ علاج ہومیوپیتھک

موضوع: ہومیوپیتھک طریقہ علاج

---

[19] ڈاکٹر عطاء خورشید، سرسید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۱/۶۹۔
ʻAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʻātī Kitābiyāt, ٦٩ /1.

[20] ۔ ایضاً، ۱/۴۴۔
ibid, 44/1.

[21] ۔ ایضاً، ۱/۶۹۔
ibid, 69/1.

مقامِ اشاعت: علی گڑھ

تاریخ اشاعت: ۲۷ ستمبر ۱۸۶۷ء

سر سید نے ہومیوپیتھک علاج کے سلسلے میں ایک رسالہ بھی علی گڑھ سے شائع کروایا۔[22]

سر سید کی تینوں ادوار کی کاوشوں سے یہ تاثر سامنے آتا ہے کہ آپ ایک نابغۂ روزگار اور مختلف میادین میں مہارت رکھنے والی شخصیت تھے۔ وقت اور زمانہ کے ساتھ آپ نے اپنی فکر میں تبدیلیاں پیدا کیں اور مرورِ زمانہ کے ساتھ آپ نے اپنے لیے اور اپنے رفقاء کے لیے ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوششیں کیں کہ کوئی بھی ترقی کے میدان میں پیچھے نہ رہ سکے۔ آپ نے اپنی اور رفقاء کی فکر کو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اس کی واضح مثال جریدہ ''تہذیب الاخلاق'' میں ملتی ہے جس میں سر سید نہ صرف خود بلکہ اپنے رفقاء کے فکری جمود کا توڑا ہے۔ سر سید نے اس سے بڑھ کر سر سید کی تصانیف میں جو فکر ملتی ہے وہ یہ بھی ہے کہ مسائل کے حل کا زیادہ بہترین طریقہ مکالمہ ہے نہ کہ مناظرہ یا مجادلہ۔ سر سید نے اسی نہج پر مثبت انداز سے انگریزوں کے مسلمانوں سے متعلق ذہنی خلجان کو بھی رفع کیا اور انہیں مسلمانوں کے کردار اور خوبیوں سے آگہی فراہم کی۔ یہ سب آپ کی تصانیف و علمی خدمات کا ہی نتیجہ تھا کہ جس کے سبب کچھ حد تک انگریز حکومت مسلمانوں کے ساتھ بہتر روّیہ اختیار کر پائی۔ مزید برآں آپ کی دوسرے اور تیسرے دور کی تصانیف نے عقلیت اور اجتہاد کی نئی راہیں ہموار کر کے مسلمانوں کے فکری جمود کو بھی ایک حد تک ختم کر دیا۔

سر سید کی دینی خدمات

سر سید احمد خاں کی شخصیت جتنی دل کش تھی۔ اتنی ہی ہمہ گیر بھی تھی۔ وہ بیک وقت اصلاح معاشرہ کے پر زور علمبردار، غیر معمولی بصیرت کے ماہر تعلیم، دیدہ ور سیاسی مدبر، روشن خیال، مذہبی مفکر، بے خوف صحافی، گہری لگن کے ساتھ نہایت موثر اور فکر انگیز طرزِ تحریر کے مالک تھے۔ ان کی جہد و سعی کا میدان اتنا وسیع اور اُن کی فکر میں ایسی توانائی تھی کہ اُن کی ذات ایک قندیل رہبانی بن گئی تھی۔ سماج اور سیاست، علم و ادب مذہب و تمدن، تہذیب و معاشرت جس میدان میں بھی انھوں نے قدم رکھا۔ اپنی شخصیت کا نہ مٹنے والا نقش ثبت کر دیا۔[23]

سر سید نے اپنی مذہبی فکر کی بنیاد عقلیت، تطبیق اور اجتہاد پر رکھی تھی۔ وہ اس روایتی مذہب کے جو وراثت میں ملتا ہے، قائل نہیں تھے کہتے تھے کہ مذہب کو عقل کی کسوٹی پر پرکھے بغیر قبول کرنا بے معنی ہے۔ سر سید محسن الملک کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں صاف

---

22 ڈاکٹر عطاء خورشید، سر سید احمد خان: وضاحتی موضوعاتی کتابیات، علی گڑھ، ۱/۶۹۔

ʿAṭā Khurshīd, Sir Sayyid Ahmad Khān: Waḍāḥatī Mauḍūʿātī Kitābiyāt, 85/1.

23 خلیق احمد نظامی، سر سید کی فکر اور عصر جدید کے تقاضے (نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۵۳-۱۵۴

Khalīq Ahmad Nizāmī, Sir Sayyid kī Fikr aur ʿAṣr-i Jadīd ke Taqāzāy (New Delhi: Anjuman Taraqqī Urdū, 1993), 153-154.

کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید کو نہ چھوڑیں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائے گا؟ سر سید احمد خان کہتے تھے کہ مذہبی اصولوں کو فطرت انسانی کے مطابق ہونا چاہیے۔ لکھتے ہیں۔

''میں نے مذاہب کی صداقت دریافت کرنے کے لیے اصول قرار دیا ہے کہ وہ فطرت انسانی کے مطابق ہیں یا نہیں؟''[24]

پھر اس طریقہ فکر کی مزید وضاحت کی:

''جس طرح قدیم علماء نے ایک نئے ڈھنگ پر علم الکلام ایجاد کیا تھا۔ اس کی نظیر پر میں نے یہ نیا طریقہ صداقت کے ثابت کرنے کا ایجاد کیا ہے۔ ممکن ہے اس میں غلطی ہو مگر آئندہ علماء اس کی صحت کر دیں گے اور اسلام کو مدد دیں گے۔''[25]

ہر عظیم مفکر اور مصلح کی فکر کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک کا رشتہ خود اس کے ماحول سے جڑا ہوتا ہے اور دوسرے کا آنے والی نسلوں سے۔ ایک کا رنگ مقامی ہوتا ہے اور دوسرے کا آفاقی۔ ایک حالات کے گردوپیش کے عمل اور ردّ عمل سے مرتب ہوتا ہے اور فکر کے عارضی اور وقتی خطوط کی نشان دہی کرتا ہوا۔ معاصرانہ مسائل کے پیچ و خم میں گم ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان دو پہلوؤں کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے میں غلطی مفکر و مصلح کا حقیقی مقام سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اس بارے میں سر سید نے لاہور میں ۱۸۸۴ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

''افسوس اس بات کا ہے۔ کہ لوگوں نے میرے مطلب اور مقصد کو نہیں سمجھا اور مجھ سے مخالفت جھوٹے جھوٹے اتہام لگا کر کیں۔''[26]

سر سید مذہب کو سیاسی معاملات سے ایک کرنے کے قائل ہیں گو کہ سیکولرازم کا لفظ سر سید کی تصانیف میں نہیں آیا۔ لیکن نیند و مستانی اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں انھوں نے سیکولر روّیہ کو ہی اپنایا۔ بعض حضرات نے سر سید کی سیاست کو فرقہ پرستانہ قرار دے دیا تو دوسری طرف بعض حضرات مذہب اور سیاست کو الگ کرنے کی بنا پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کو صرف صوم و صلوٰۃ اور بعض دوسری عبادتوں تک محدود کر دیا ہے۔ ان حضرات کی نظر میں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلام پوری رہنمائی نہ کرتا ہو۔ اس نقط نظر کے مطابق سر سید کا مذہب اور سیاست کو الگ کرنا سرے سے غلط تھا۔

کوئی بھی ذہین اور معاملہ فہم انسان اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ صرف نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی سے کوئی بھی آدمی نیک اور صالح قرار پائے گا۔ اس طرح دینی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگیاں معیاری ہونی چاہیں۔ یہ بات بھی وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سر سید نے زندگی کے ان اہم معاملات پر بہت زور دیا ہے اور کسی بھی جگہ ان معاملات

---

[24] محمد سراج الدین، لکچروں کا مجموعہ (لاہور: اسلامیہ پریس، ۱۸۹۰ء)، ص ۳۱۳
Muḥammad Sirāj al-Dīn, Lakhcharon kā Majmūʿah (Lahore: Islāmiyyah Press, 1890), 313.

[25] ایضاً، ۴۱۵۔ ibid, 415.

[26] ایضاً، ۲۲۴۔ ibid, 224

کو نظر انداز نہیں کیا۔ سر سید نے نیچرل سائنس سیاست، معیشت انتظامیہ اور قانون جیسے شمول میں آزادی فکر اور خود مختاری پر زور دیا۔ اُن کے نقطۂ نظر کے مطابق مذہب کا ان چیزوں کے ساتھ کوئی بنیادی تعلق نہیں ہے بلکہ قرآن سائنسی جانکاری کے بجائے بصیرت و حکمت پر زور دیتا ہے۔ وہ سیاسی اور اقتصادی مسائل کا کوئی فارمولہ پیش کرنے کی بجائے ہمیں ایمان بالغیب اور روحانیت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ سیاسی اور اقتصادی معاملات کا حل قرآن کے مجوزہ اخلاقی اقدار کی روشنی میں جمہوری افہام و تفہیم کے ذریعہ ہونا چاہیے۔[27]

اپنے سائنسی میلان طبع کے پیش نظر سر سید حقیقی روحانیت اور تصوف کو ان توہمات اور غلط اعمال سے بھی الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جنھوں نے وقت گزرنے کے ساتھ تصوف کے اصلی روپ کو مسخ کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے جلال الدین رومی کے اس مشہور دعوے کا اتباع کیا کہ انھوں نے قرآن کا مغز محفوظ کر لیا ہے اور ہڈیاں کتوں کو ڈال دی ہیں۔ سر سید نے تعویز، چلہ کشی، وظائف اور منفی تقدیر پرستی کو ماننے سے انکار کیا۔ سر سید نے ان افعال کی بجائے روحانیت اور اعمالِ صالحہ پر زور دیا۔

سر سید کے نقطۂ نظر کے مطابق سائنس کے دریافت کردہ قوانین قدرت اور قرآنی آیات میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ بظاہر جو ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ غلط انسانی تاویلات اور ارد گرد کے ماحول سے پیدا شدہ قیاسات کو کلام الٰہی کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن جب صحیح تاویل ہوتی ہے تو اُس سے تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ سر سید کے اسی خیال کے پیش نظر انسانی کوتاہیوں کے مطابق کوئی بھی تاویل کلام الٰہی کی حتمی قرار نہیں دی جاسکتی۔ اسی نظریے کی بنیاد سائنس کے کسی بھی نظریے کو بھی دوام حاصل نہیں ہے۔ جس طرح نئے نظریات کے پیش نظر سائنس کے نظریات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح نئے دریافت شدہ حقائق کی روشنی میں قرآنی آیات میں بھی تازہ مفاہیم تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ یہ کلام الٰہی کی ہی خصوصیت ہے کہ وہ معجزاتی طور پر حضور اکرم ﷺ کی طرف ودیعت کیا گیا تھا۔

سر سید کے نقطہ نظر کے مطابق کلام الٰہی کی غلط تاویلات کی دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔ جن میں مثلاً اگر ہم قرآنی نصوص کو سمجھے بغیر لفظی ترجمہ کریں اور آیات قرآنی کی تفسیر کے ضمن میں عالم غیب کی باتوں کو اپنے تجربات کے نتائج کی روشنی میں ڈھالنے کی کوشش کریں اور اس طرح مختلف معانی و مفاہیم کو ایک دوسرے کے ساتھ غلط ملط کرنے لگیں تو غلط تاویلات ہی پیدا ہوں گی۔ اسی لیے سر سید کلام کی قرآنی تفسیروں سے اتفاق نہ کر سکے۔

سر سید کے خیال میں قرآنی الفاظ کی تفاسیر کو یا تو صرف حضور ﷺ کی روایت کردہ احادیث یا بائبل کے تذکروں اور یونانی فلسفیانہ قیاسات کی روشنی میں ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ جبکہ ان تمام بنیادوں کی سچائی بھی خود مشتبہ ہے اور کچھ مفسرین نے ان کو اسی حالت میں تسلیم کر لیا ہے۔ سر سید کے مطابق قرآن کو غلطی سے مبرا ماننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

1. مومن حضور ﷺ کی ان احادیث کو بھی بغیر تحقیق کے قبول کرے جن میں قرآن کریم کی تکمیلی یا استعاراتی آیات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ کیونکہ ان آیات کی کئی طرح سے تاویلات کی جاسکتی ہیں۔

---

[27] جمال خواجہ، سر سید کی اسلامی بصیرت (تصانیفِ سر سید سے ایک نیا انتخاب) (علی گڑھ: نیو علی گڑھ موومنٹ، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۹-۳۰۔

Jamāl Khwājah, Sir Sayyid kī Islāmī Baṣīrat (Taṣānīf-i Sir Sayyid se Ek Niyā Intikhāb) (Aligarh: New Aligarh Movement, 1987), 29-30.

2. مومن اُن مقبول عام معانی جو رعایتی تذکروں اور ترکیبوں سے جڑے ہوتے ہیں اُن کو بغیر تحقیق کے قبول کرلے جن کا تذکرہ صرف قرآن میں موجود ہے لیکن اس کلام الٰہی میں واضح اشارے موجود نہیں جن سے قاری باتوں کو سمجھ سکے۔
3. قرآنی آیات کی متعدد فلسفیانہ یا صوفیانہ تاویلات کو بھی ہم اللہ سے منسوب کریں۔
4. قرآن کی اندرونی مشکلات اور تعارضات دور کرنے کے لیے اصول تاویل کو ماننا گزیر ہے۔
5. قرآنی آیات کے شان نزول سے متعلق جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ انہیں اسی طرح سے تسلیم کرلیں۔
6. ہم عرب لوگ کتھاؤں کو دوسری لوک کتھاؤں کے مقابلے میں زیاد معتبر جان لیں۔

سرسید نے پیغمبر اسلام کے وقت میں رائج عربی زبان کو جانچنے اور عربی نحوی قواعد کا تحقیقی مطالعہ پر زور دیا۔ تاکہ قرآنی تفہیم سے ان معجزاتی عنصروں اور پہلوؤں کو الگ کیا جاسکے جن کو قرآنی نصوص سے منسلک کردیا گیا ہو۔[28]

سرسید نے احادیث کے بارے میں بھی معتدل رویہ اپنایا۔ ان کے خیال میں تمام علم، تقویٰ اور ریاضت کے باوجود علماء اور محدثین کی رائے کو غلطی سے باہر اور حتمی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ انہوں نے بخاری و مسلم کی احادیث کو نہ مکمل طور پر تسلیم کیا اور نہ ہی ساری ردّ کیں۔ اُن کے خیال میں بخاری و مسلم کی احادیث کی ترتیب وتدوین حضور سے دو سو سال بعد کی گئی۔ احادیث کی صحت و سقم کے لیے محدثین نے جو اصول متعین کیے اُس سے احادیث کی صحت کے قوی امکانات موجود ہیں. لیکن پھر بھی انہیں کامل اسناد نصیب نہیں۔[29]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سرسید احادیث کے قدیم ذخائر سے بخوبی آگاہ تھے لیکن ان کے انداز تحریر سے بخوبی اندازلگایا جاسکتا ہے کہ بعض مفروضات پہلے سے ان کے ذہن میں ہوتے ہیں، جنہیں وہ دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں تاہم حقائق و شواہد اُن کے خلاف جاتے ہیں تو اُن کو جان بوجھ کر نظرانداز کردیتے ہیں اور اپنے نظریات اور مفروضات کو ثابت کرنے کے لیے معمولی سی تحریر کو بھی اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ گویا اصل حقیقت ہی یہی ہے۔[30]

سرسید کے عقائد کی تفصیلات میں یہ بات بحث موضوع نہیں کہ سرسید نے اسلامی احکام کی کہاں کہاں صحیح تفسیر کی اور کہاں کہاں پر ان کے قدم ڈگمگائے۔ اس میں شک نہیں کہ سرسید کے مذہبی فکر کا بنیادی عقیدہ "الاسلام هو الفطرة والفطرة هی الاسلام" آج اصولی طور پر تمام مفکرین و مؤیدین اسلام کے نزدیک شرف قبولیت اختیار کرچکا ہے۔ اقبال، مودودی، بلکہ قدیم طرز میں تعلیم کے فاضل علماء بھی اسلام کو دین فطرت تسلیم کرنے میں سرسید کے ہم خیال ہیں لیکن ہمیں ان باتوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سرسید نے اپنے زمانے کے شبہات اور ضروریات کے پیش نظر دینی مسلمات اور معلومات کی روشنی میں اپنے اجتہادات پیش کیے۔ ان میں بعض چیزیں

[28] جمال خواجہ، سرسید کی اسلامی بصیرت (تصانیفِ سرسید سے ایک نیا انتخاب)، ۲۴۔۲۶۔
Jamāl Khwājah, Sir Sayyid kī Islāmī Baṣīrat (Taṣānīf-i Sir Sayyid se Ek Niyā Intikhāb), 24-26.
[29] ایضاً، ۲۶۔
ibid, 26.
[30] محمد یٰسین مظہر صدیقی، سرسید اور علوم اسلامیہ، ص ۸۵۔
Muhammad Yasīn Mazhar Ṣiddīqī, Sir Sayyid aur ʿUlūm Islāmiyyah, 85.

وقتی ضروریات کے پیش نظر تھیں، اور جبکہ باقی عناصر مستقل اپنی قدر و قیمت رکھتے ہیں۔ اُن کے وہ عناصر جو مستقل بنیادوں پر قائم رہنے والے ہیں اُن کی بنیاد پر نئی ضروریات نئے مسائل کے حل۔ اور نئی معلومات کی روشنی میں آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔[31]

سر سید نے علی گڑھ کالج میں شیعہ سنی اور دیگر فرقوں کے طلبہ کو ہم آہنگ ہونے کی تلقین کی جس کے زیر اثر تمام طلبہ تمام فرقوں سے آزاد ہو کر علی گڑھ کی مسجد میں اکٹھے نماز ادا کرتے تھے۔ سر سید کی مذہبی تصانیف پڑھنے سے آگاہی ہوتی ہے کہ سر سید نے دین کو مغربی مصنفین اور اسلام میں دلچسپی رکھنے والے باشندوں کے سامنے اسلام کو جدید رنگ میں پیش کیا اور یہ ثابت کیا کہ دین اسلام عقل کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور نئی مسلم نسل جو کہ اسلام سے بد ظن ہو کر گمراہی اور انگریزی تعلیم اور جدید علوم کی طرف راغب ہو رہی تھی۔ سر سید نے قرآن کی ایسی تفسیر اور تاویل ان کے سامنے پیش کی جس نے کافی حد تک اُن کے ذہنوں کو دین کی طرف راغب کیا۔ انہوں نے تنگ نظری، تعصب اور نفرت کی فضا کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اسلام اور سائنس میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے دلائل بھی دیئے۔ عیسائی مبلغین جس طرح سے مذہب اسلام پر حملہ آور تھے اور اس کی ایسی صورت بگاڑ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اُس وقت کے حالات کے پیش نظر سر سید نے مذہب کو ایسے خطوط پر پیش کیا۔ تاکہ عصری تعلیم سے نئی نسل کو مذہب اسلام سے بد ظن نہ کر دیا جائے۔ بقول مولانا الطاف حسین:

> "اس نے تمام اعتراضوں کے جواب جن کے ذریعے مشنری مسلمانوں کو دام میں لا سکتے تھے۔ خود عیسائی عالموں کے اقوال کی سند پر لکھے۔ اس نے تمام غلطیوں کو رفع کیا جو اسلام کی نسبت عیسائی قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں اُس نے اپنے دلائل سے ثابت کر دیا، کہ دنیا میں کوئی مذہب اسلام سے زیادہ عیسائی مذہب اور عیسائی قوم کا دوست نہیں ہو سکتا اور اُس نے جب دیکھا کہ انگریزی تعلیم سے کسی طرح مسلمانوں کو اپنا غلام نہیں بنایا جا سکا تو اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ اسلام کو انگریزی تعلیم کے مضر نتائج سے بچانے میں صرف کیا۔ انہوں نے مقاصد کی طرف پہلی ہی بار اس وقت توجہ کی تھی جبکہ مراد آباد میں تبیین الکلام تحریر کی۔"[32]

سر سید نے مذہبی خدمات کے ضمن میں یہ تصانیف لکھیں:

ا۔ الخطبات الاحمدیہ

یہ سر سید احمد خان کا ایک عظیم الشان علمی کارنامہ بھی ہے۔ جو خطبات احمدیہ کے نام سے شائع کی۔ انھوں نے یہ کتاب سر ولیم میور کی تصنیف "دی لائف آف محمد" کے جواب میں لکھی۔

---

[31] محمد عمر الدین، سر سید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۵م)، ۷۶-۷۷۔

Muḥammad ʿUmar al-Dīn, Sir Sayyid Ahmad Khān kā Niyā Mazhabī Tarz-i Fikr (Lahore: Idārah-i Saqāfat-i Islāmiyyah, 1995 AD), 76-77.

[32] سر سید احمد خان، حیات جاوید، ج۱، ص۱۶۱۔۱۶۲

Sir Sayyid Ahmad Khān, Ḥayāt Jāwīd, 490-491/1.

۲۔ جلاء القلوب بذکر المحبوب

سرسید نے یہ رسالہ حضور کی سیرت پر لکھا۔ مجالس مولود میں جو رسائل پڑھے جاتے تھے۔ اُن میں روایات بہت کم صحیح ہوتی تھیں۔ سرسید نے ان حالات میں بہترین روایتوں کو یکجا کرکے اس رسالے میں لکھ دیا۔

۳۔ تفسیر القرآن

عقائد کی اصلاح کے لیے نئے علم الکلام کی بنیاد ڈالی۔ اور قرآن کریم کی خود تفسیر لکھنی شروع کی۔ جس میں قرآن کو سائنس اور جدید تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اُن کی وفات تک صرف پانچ جلدیں چھپیں جو کہ 15 پاروں پر مشتمل ہے۔[33]

۴۔ کلمۃ الحق

سرسید نے یہ رسالہ پیری مریدی کے رائج طریقوں کی اصلاح کے لیے لکھا۔

۵۔ راہ سنت و ردّ بدعت

سرسید نے اس رسالے میں اہل تقلید میں رائج رسوم و عقائد کی مخالفت کی اور اس میں بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں دلائل دیئے گئے۔ الغرض سرسید کی مذہبی فکر اور اُن کا معیار فطرت و عقل، معاشرتی احکام اور دنیاوی معاملات میں تو ٹھیک کام دے جاتا ہے ۔ لیکن جب وہ فلسفہ الٰہیات کے مسائل (مثلاً خدا کی ہستی، روح کا وجود، حیات بعد الموت وغیرہ) پر بحث کرتے ہیں۔ تو ان کا استدلال منطقی کاملیت کے درجے کو نہیں پہنچتا۔ سرسید نے حدیث اور قرآن کو سمجھنے کے لیے کچھ نئے اصول پیش کیے۔ مثلاً رسول کے تشریعی احکام اور امور دنیا کے متعلق مشوروں میں وہ امتیاز کرتے ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے تشریعی احکام کے طور پر ثابت ہوں تو اُن پر عمل کرنا واجب ہے اور مذہب کا جزو مانتے ہیں اور اگر اُن امور کا تعلق دنیاوی ہو تو وہ اُن کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار مسلمانوں کو دیتے ہیں۔

سرسید کے مطابق قرآن سے تاریخی حقائق سے سائنسی مسئلوں کو اخذ کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ اُن کا خیال ہے کہ قرآن میں جو مذہبی اور اخلاقی احکام ہیں۔ ان کا نبوت سے تعلق ہے اور احکام و قوانین فطرت کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ کلام الٰہی (Word of God) اور فعل الٰہی (Work of God) ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ سرسید نے ایک نئے علم الکلام کی بنیاد ڈالی اور ایک ایسے کام کی طرف توجہ دلائی جس کو کوئی دوسرا انجام نہیں دے پا رہا تھا۔ ان مسائل کے متعلق چاہے ہم جس نتیجے پر پہنچے لیکن سرسید کی جسارت اور خلوص نیت اور اُن کی اس راہ میں اولیت سے انکار ممکن نہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ زمانہ حال کے تمام اسلامی مفکرین نے اُن کے خیالات اور اجتہادات کی خوشہ چینی کی ہے اور آج ان کے نیچری ہونے پر کفر کا فتوی دینے والا طبقہ بھی اسلام کو دین فطرت ماننے پر مجبور ہے۔

---

33 محمد عمر الدین، سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرز فکر، ۷۸۔۷۹۔
Muḥammad ʿUmar al-Dīn, Sir Sayyid Ahmad Khān kā Niyā Mazhabī Tarz-i Fikr, 78-79.

خلاصہ کلام:

انیسویں صدی کے ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی اور زوال کے تناظر میں سر سید احمد خان کی علمی، ادبی، اور سماجی خدمات نے مسلمانوں کے فکری و معاشرتی حالات کو نئی راہیں دکھائیں۔ سر سید نے مسلمانوں کو جدید علوم کی طرف مائل کیا، ان کی فکری جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور مکالمہ کو مسائل کے حل کے لئے بہترین طریقہ قرار دیا۔ اُن کی تحریریں اور تصانیف نے مسلمانوں کی تعلیمی، سیاسی اور سماجی ترقی کے لئے بنیادیں فراہم کیں، جو آج بھی مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ سر سید نے اپنی تصانیف کے ذریعے مسلمانوں کے اندر فکری اور معاشرتی بیداری پیدا کی اور انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات میں بہتری کی راہ ہموار کی۔

سفارشات

1. **تعلیمی میدان میں اصلاحات:** سر سید کی تعلیمی تحریک سے سبق لیتے ہوئے آج بھی مسلمانوں کو جدید علوم کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو سکیں۔

2. **مکالمہ کو فروغ دینا:** سر سید کے فلسفے کی روشنی میں مکالمہ کو فروغ دینا چاہیے تاکہ مختلف فرقوں اور مذاہب کے درمیان بہتر تعلقات قائم ہو سکیں۔

3. **عقلی اجتہاد کی حمایت:** موجودہ دور میں مسلمانوں کو فکری جمود سے نکالنے کے لئے عقلی اجتہاد کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تاکہ وہ علمی اور سماجی ترقی کر سکیں۔

4. **تحقیقی کاموں کو فروغ دینا:** سر سید کی تحقیقی سر گرمیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، آج کے محققین کو مسلمانوں کی تاریخ، ثقافت اور دینی علوم پر تحقیق کے میدان میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

5. **ادبی و سماجی تحریکوں کا احیاء:** سر سید کی تحریک علی گڑھ کی طرز پر موجودہ دور میں ادبی و سماجی تحریکوں کو فروغ دیا جانا چاہیے تاکہ مسلم معاشرتی اور ثقافتی ترقی ممکن ہو سکے۔

6. **تہذیب الاخلاق کی طرز پر جریدے کا اجراء:** مسلمانوں کی فکری تربیت اور اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق جیسے جریدے کا دوبارہ اجرا کیا ئے، جس میں جدید مسائل پر بحث و مباحثہ کیا جا سکے۔